عرفان رومی، مثنوی معنوی کے اشعار کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد کیومرثی☆

Exploration of roomi: In the light of Masnavi

Dr Muhammad Kumarci

Abstract:
Overlooking the history of Sufism, then there will be many Sufis, whose ideology of Sufism was established on Purity and fear of God, and while they following the shariah rermain busy themselves based on some spiritual experience, avoided worldly matters.It would be good to say that these Sufi people used to worship God as disturbed saint and gloomy worshipper their whole life. Though the ideology of Sufisim of the greatest Sufi of Sufi World Maulana Rome remain different from his predecessors.

Key words:
Exploration, Roomi, God, Mysticism, Ego

کلیدی الفاظ:
عرفان، رومی، خدا، تصوف، خودی

"عرفان" کا لفظ، لغت میں پہچاننے کے معنوں میں آیا ہے۔ لیکن اصطلاح میں عرفان سے مراد ایک خاص پہچان ہے جو اندرونی اور باطنی شہود سے حاصل ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس قسم کے انکشاف اور شہود عام طور پر خاص مشق اور ریاضت پر منحصر ہیں اس لئے سیر وسلوک کے لائحہ عمل کے مطابق عملی طریقوں کو بھی "عرفان" کہا گیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں حقیقی عرفان سے مراد دراصل اپنی خودی کی پہچان ہے۔ اسی پہچان سے آفاق کی پہچان اور خدا کی پہچان ہو سکتی ہے۔ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" لفظ "تصوف" اور "صوفی" کی لغوی بحث میں ماہرین لسانیات و محققین کا ہر دور میں اختلاف رہا ہے چونکہ قرآن وصحاح ستہ میں یہ لفظ موجود نہیں اور عربی زبان کی قدیم لغات میں اس لفظ کا وجود نہیں اس لیے ہر دور کے علماء اور محققین اس بارے میں مختلف آراء اور خیالات ظاہر کرتے رہے۔ اس بات کے پیش نظر تصوف کی تاریخ متعین کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا اس کی ایک جامع تعریف کا ڈھونڈ نکالنا۔ اس کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسلامی تصوف کی تاریخ زیادہ تر انفرادی اور باطنی تجربے کی تاریخ ہے۔ تاہم

☆ صدر شعبہ اردو، تہران یونیورسٹی، ایران

اصطلاح میں تصوف، طریقت کا دوسرا نام ہے۔ دین اسلام میں اصل شریعت ہے اور اس کی فرع طریقت ہے۔ شریعت ہی وہ سرچشمہ اور منبع ہے جس سے طریقت پھوٹتی ہے۔ طریقت میں جو فیض اور جو کچھ منکشف اور مکشوف ہوتا ہے وہ شریعت کے اتباع کا صدقہ ہے۔ تزکیہ نفس، علم السلوک اور تہذیب نفس سے بھی مراد تصوف ہی ہے۔ اسلام ایک کامل دین ہونے کے ناطے انسانی زندگی کے جسمانی، عقلی اور روحانی، غرض تمام پہلوؤں میں راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ تیسرے پہلو پر اختصاص کرنے والوں کو صوفی کہا جاتا ہے۔ ان وضاحتوں کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف، اسلامی عرفان کی ایک شاخ ہے جس میں روحانی نشوونما پر توجہ دی جاتی ہے۔

اگر اسلامی تصوف کی تاریخ پر نظر ڈورائیں تو ہمیں رومی کے متقدمین صوفیاء میں ایسے راسخ العقیدہ مسلمان کثرت سے ملیں گے جنھوں نے شریعت کی پابندی کرتے ہوئے اپنے کسی روحانی تجربے کی بنیاد پر اپنے آپ کو زہد و تقوی اور ذکر الٰہی میں اس قدر مصروف رکھا کہ ان کا تعلق دنیا و مافیہا سے کم سے کم ہوتا رہا۔ حالانکہ حقوق العباد سے بے تعلق ہو جانا شریعت کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں امام غزالی کی مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ جو پانچویں صدی ہجری کے مشہور صوفی، مفکر اور متکلم تھے۔ وہ علم و فضل، فقہ، تصوف، علم کلام، علم اصول کے مالک تھے اور ساتھ ساتھ زہد، عبادت گزاری اور نیک نیتی میں بحر بے کنار تھے۔ ان کے حالات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نظریہ تصوف زہد و تقوی پر استوار تھا اور در اصل وہ ایک خائف عابد اور مضطر زاہد کی حیثیت سے خدا کی عبادت اور پرستش کرتے رہے۔ اس کے مقابلے میں اگر مولانا روم کے عرفان اور ان کے نظریہ تصوف کا مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ عشق ہی رومی کے نظریہ حیات کا لب لباب ہے اور آپ اس بات کے قائل ہیں کہ انسانی ارواح کا اصلی ماخذ و مقام ذات الٰہی ہے اور ارواح کسی حکمت کی بنیاد پر اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہیں اور اس جدائی اور فراق میں وہ بے تاب ہیں اور اس بے تابی کی کیفیت کا نام ہی عشق ہے۔ رومی کا کہنا ہے کہ یہ عشق اور بے چینی کی کیفیت تمام کائنات میں ساری و جاری ہے اور ان میں تغیر اور حرکت پیدا کرنے کا محرک ہے۔

اس مختصر مقدمے کے بعد، اس مقالے میں مثنوی معنوی کے اشعار کے آئینے میں عرفان رومی کی تبیین و تشریح کی جائے گی۔

مثنوی معنوی عرفان رومی کی آئینہ دار:

مولانا روم ایک عصر آفرین شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے فکر و فن نے عہد بہ عہد اور نسل در نسل دلوں اور ذہنوں میں انقلاب کی صدرنگ قندیلیں منور کی ہیں۔ مثنوی معنوی عارف رومی کا عظیم شاہکار ہے۔ اس مثنوی میں مولانا رومی نے شریعت و طریقت کے رازہائے سربستہ کو اپنے

مخصوص انداز میں پیش کیا ہے۔ مثنوی معنوی کو علوم تصوف کا خزانہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف اخلاقیات اور انسانی ارتقاء کے اسباق کے جواہر پاروں سے بھری پڑی ہے، بلکہ اس میں بے شمار مابعد الطبیعیاتی مسائل بھی دلچسپ اور دل نشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ مثنوی ایک ایسی جامع کتاب ہے کہ اس میں ہر ذوق اور ہر درجے کے لیے مواد موجود ہے۔ اس کے اشعار اتنے کیف انگیز اور دل نشین ہیں کہ یہ کتاب علماء، مشائخ اور خانقاہ نشینوں کے علاوہ ایسے لوگوں میں بھی مقبول ہے جو عقیدہ توحید کو نہیں مانتے۔

روایات کے مطابق شمس تبریزی سے ملاقات کے بعد عارف رومی کی زندگی میں وہ عظیم انقلاب رونما ہوا جس کے نتیجے میں مولانا کو دنیائے تصوف میں منفرد حیثیت حاصل ہوئی اور سلسلہ جلالیہ (مولویہ) وجود میں آیا۔ شمس کی محبت کے زیر اثر مولانا روم نے شاعری کا آغاز کیا۔ خود مولانا نے اپنی ایک رباعی میں اس حوالے سے فرمایا ہے:

زاہد بودم ترانہ گویم کردی　　سرفتنہ بزم و بادہ جویم کردی
سجادہ نشین باوقاری بودیم　　بازیچہ کودکان کویم کردی(۱)

آپ شمس کی صحبت کے دوران سماع کی طرف مائل ہوگئے اور یہ عالم ہوا کہ بغیر سماع کے مولانا کو چین نہیں آتا تھا۔ اس طرح سماع آپ اور آپ کے اصحاب کی پہچان اور ان کا دین و آئین بن گیا۔

شد سماعش مذہب و راہ درست　　از سماع اندر دلش صد باغ رست
ہم شدند اصحاب مشغول سماع　　تا شد ایشان را براین رہ اطلاع
جملگان دیدند سود خود درین　　شد سماع و رقصشان آئین و دین(۲)

رومی (1207ء- 1273ء) کا دور مسلمانوں کے لیے انتہائی ذلت اور زوال کا دور تھا۔ ایک طرف صلیبی جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا جن کے باعث فلسطین اور ارد گرد کے علاقے یورپی فوجیوں کے ہاتھوں برباد ہوئے۔ دوسری طرف منگولوں کے ظالمانہ حملوں سے تباہی کے خوفناک مناظر سامنے آئے۔ چنگیز خان نے 1219ء میں حملوں کا آغاز کیا۔ پھر 1256ء میں ہلاکو خان کے حملوں سے دوسری بار اکثر مسلمان خطے تباہ و برباد ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں 1258ء میں خلافت بغداد ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ کچھ عرصے کے بعد 1266ء میں ہسپانیہ میں بھی مسلمانوں کی عظیم سلطنت ختم ہوگئی۔ ان خوفناک واقعات کے نتیجے میں بے شمار علماء قتل کر دیے گئے۔ بہت سے کتب خانے اور مدرسے ضایع ہوگئے لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ مسلمانوں کے ذہن میں اسلام کے حوالے سے مایوسی کے جذبات پیدا ہوگئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ساتویں صدی ہجری میں فرقہ باطنیہ کی دو سو سالہ مسلسل کوششوں سے مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف مقبول ہو گیا اور مسلمان

نفی خودی اور ترک عمل سے دوچار ہو گئے۔(3) رومی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں ان تمام غیر اسلامی افکار کے خلاف صدائے اعتراض بلند کی۔ مثنوی معنوی ایک دریائے ناپید کنار ہے جس میں مولانا کی تعلیمات اور فلسفہ تفصیل سے مرقوم ہے۔ یہ کتاب صوفیانہ مثنویوں کا نہایت مشہور و مقتدر نمونہ ہے جسے مولانا نے اپنے مرید حسام الدین چلبی (م 683ھ) کے کہنے پر تصنیف کیا۔ روایت ہے کہ حسام الدین نے مولانا سے درخواست کی کہ منطق الطیر کے طرز پر ایک مثنوی تصنیف کی جائے۔ مولانا بولتے جاتے تھے اور حسام لکھتے جاتے تھے۔ پھر حسام الدین مولانا کی تصدیق و تائید کے لیے لکھے گئے اشعار کو بآواز بلند سناتے تھے۔ کبھی کبھی یہ کام شام سے لے کر صبح تک جاری رہتا تھا۔ اس طرح یہ نایاب کتاب مرید رومی کی بدولت وجود میں آئی۔

قابل ذکر ہے کہ ابوسعید ابوالخیر پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے صوفیانہ اور عارفانہ خیالات کے بیان کے لیے رباعی کا پیمانہ استعمال کیا۔ اس طرح تصوف بھی موضوعات شاعری میں داخل ہو گیا۔ بعد ازاں حکیم سنائی اور فرید الدین عطار نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ ان بزرگوں کے تتبع میں مولانا نے مثنوی تخلیق کر کے اس تحریک کو چار چاند لگا دیے۔

مثنوی معنوی چھ دفتروں پر مشتمل ہے اور معنوی کی صفت جو مثنوی کے ساتھ استعمال ہوتی ہے دراصل لفظ معنی سے ماخوذ ہے اور "روحانی و باطنی" کا مفہوم دیتی ہے۔

مولانا نے ماقبل عرفانی و روحانی مثنویوں کے طرز پر حمد و ثناء، نعت، معراج، منقبت مرشد جیسی تمہیدات کے بغیر غیر رسمی طور پر اپنی مثنوی کا آغاز کیا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ نے شاعری کو بحیثیت فن نہیں برتا۔ بلکہ اپنے فلسفہ فکری کے بیان کے لیے شاعری کا سہارا لیا۔ اس لیے ان کے کلام میں جابجا ناہمواری دکھائی دیتی ہے۔ خود رومی کو بھی اس بات کا احساس ہے مگر آپ جواب میں فرماتے ہیں:

حرف وصوت و گفت را برہم زنم　　تا کہ بی این ہر سہ با تو دم زنم

(1740/1)

مثنوی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رومی حقائق کے بیان کے لیے قصوں اور پیمانوں کا استعمال کرتے ہیں۔ آپ کا عجیب انداز یہ ہے کہ ایک قصہ شروع کر دیتے ہیں تو درمیان میں کسی مضمون کی مناسبت سے ایک اور قصہ شروع کر دیتے ہیں اور آخر میں مختلف حکایات کو مربوط کر دیتے ہیں۔ حکایات اور کہانیوں کے بیان کے دوران جابجا فلسفہ و حکمت کی دقیق مباحث، اخلاقی اقدار، وعظ و پند کی باتیں، تفسیری نکات بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ حکایات اکثر و بیشتر عربی و فارسی کی مشہور کتب سے ماخوذ ہیں جنہیں آپ نے اپنے طرز پر منظوم انداز میں پیش کیا۔ ان میں

مولانا کی طبع زاد کہانیاں بھی شامل ہیں۔ مثنوی معنوی میں حکایات اور کہانیوں کی بہتات پر لوگوں کے اعتراض کے جواب میں عارف رومی فرماتے ہیں کہ حکایات پیمانے کی طرح ہیں اور معنی دانے کی طرح پیمانے کے اندر ہیں۔ قاری کو اس دانہ معنی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اے برادر! قصہ چون پیمانہ ایست　　معنی اندر وے مثال دانہ ایست
دانہ معنی بگیرد مرد عقل　　ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل

(9-3638 /2)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن پاک، مثنوی معنوی کا پہلا ماخذ ہے۔ بالفاظ دیگر مثنوی قرآنی آیات کی تفسیر ہے۔ خود مولانا نے بھی اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ " من ز قرآن مغز را برداشتم "۔ قرآن کا انداز اختیار کرتے ہوئے مثنوی کو بھی اسی طرح شروع کیا گیا ہے کہ جس طرح سورہ فاتحہ کتاب حکیم کا لب لباب ہے اسی طرح روح کو بانسری سے تشبیہ دے کر تمام عرفان و تصوف کا خلاصہ ابتدائی اٹھارہ اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔ مثنوی کے تمام دفتر انھی اشعار کی شرح ہیں۔

بشنو این نے چون شکایت می کند　　از جدائی ہا حکایت می کند
کز نیستان چون مرا ببریدہ اند　　در نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق　　تا بگویم شرح درد اشتیاق
ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش　　باز جوید روزگار وصل خویش

(4-1/1)

ان اشعار میں حضرت مولانا انسانی روح کو بانسری سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس تشبیہ کے ذریعے روح انسانی کی اصلیت اور اس کے حتمی مقصد کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کرتے ہیں۔ تصوف اور فلسفہ فی ذاتہ ثقیل اور دقیق موضوعات ہیں۔ اس میدان میں عام لوگوں کی فہم سے بالاتر مضامین کثرت سے موجود ہیں۔ رومی نے ان اچھوتے اور نایاب موضوعات کو عوام کے اذہان سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر آپ تشبیہ و تمثیل کا سہارا لے کر افہام و تفہیم کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ خلیفہ عبدالحکیم کے مطابق عارف رومی تشبیہ و تمثیل کے بادشاہ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مولانا مثنوی کے آغاز میں بانسری بجانا شروع کرتے ہیں۔ بانسری سے عارف رومی نے جو مضامین پیدا کیے ہیں وہ کسی اور ساز سے پیدا نہ ہو سکتے تھے۔ بانسری کا تعلق روحانیت اور الوہیت سے ہندوؤں کے ہاں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ کرشن ان کے تصور میں اکثر نے نواز ہی دکھائی دیتے

ہیں اور سازوں میں سے ایسے نغمے نکلتے ہیں جس سے انسان کے جذبات اسفل مشتعل ہو سکتے ہیں لیکن بانسری کی لے میں یہ بات نہیں۔ اس میں ہمیشہ سوز و گداز ہوتا ہے۔(4)

انسانی ارواح اللہ تعالی کی ہستی مطلق سے سرزد ہوئی ہیں۔ مولانا روح کو نے سے تشبیہ دیتے ہیں، اس طرح عالم ارواح ایک نیستان بن جاتا ہے۔ اپنے اصل منبع سے دوری کے نتیجے میں نے کے پر سوز و گداز نغمے سے حسرت ٹپکتی ہے۔ گویا حضرت مولانا ابتدائی اشعار میں، نے کی حسرت کی توجیہ اس انداز میں کرتے ہیں کہ ارواح کا خدا سے فراق ان کے لیے ملال کا باعث بن چکا ہے۔ وہ وصال کی طالب ہیں اور اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا چاہتی ہیں۔ اس لیے روح کا بانسری ہر وقت نالہ فراق سر دیتی ہے اور جب تک اسے وصال حاصل نہیں ہو گا تب تک وہ اپنی شکایت آمیز حکایت سناتی رہے گی۔

ان مختصر اشعار کے مطالعے سے رومی کی تعلیمات، ارشادات، فلسفہ اور تصوف کے حوالے سے ان کا زاویہ نگاہ ابھر کر سامنے آتا ہے۔

عرفان مولانا اور ان کے نظریہ تصوف کا لب لباب یہ ہے کہ انسانی ارواح کا اصلی ماخذ ذات الٰہی ہے اور یہ ارواح اس دنیا میں آکر اپنی اصل سے الگ ہو گئی ہیں اور ہر روح فراق کی وجہ سے بیتاب رہتی ہے اور واصل الی الاصل ہونا چاہتی ہے۔ ہر روح اپنی اصل کی طرف ایک طرح کی کشش محسوس کرتی ہے۔ اسی کشش کا نام عشق ہے اور پوری حیات و کائنات اسی جذب و کشش کا مظہر ہے۔ جو کچھ ظہور میں آیا اور جو کچھ ظہور میں آتا ہے اس کا محرک یہی عشق ہے۔

بالفاظ دیگر عرفان مولانا کی بنیاد اور مثنوی معنوی کا موضوع عشق ہے۔ مرشد رومی ہزار طرح اسے بیان کرتے ہیں مگر انہیں تشفی نہیں ہوتی۔ عشق کے مختلف مدارج ہیں۔ بعض اوقات عشق حریت اور عدل جیسے مجرد تصورات سے محبت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جمال فطرت کے ساتھ بھی محبت ہوتی ہے۔ اس طرح عشق اعلی اور ادنی اقسام میں منقسم ہے۔ مولانا ادنی عشق کے حوالے سے کہتے ہیں:

این نہ عشق است این کہ در مردم بود
این فساد از خوردن گندم بود

لیکن اس کے باوجود آپ عشق مجازی کے خلاف نہیں ہیں اور عشق کو ذات الٰہی کے اوصاف میں شامل اور اسے جائز قرار دیتے ہیں:

عشق ز اوصاف خدائے بی نیاز
عاشقی بر غیر او باشد مجاز

(976/6)

عشق کو عموما آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے "العشق نار"۔ مولانا بھی یہی تشبیہ استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آتش عشق است کاندر نے فتاد
جوشش عشق است کاندر مے فتاد
(10 /1)

دیوان شمس میں بھی فرماتے ہیں:

آتش فتاد در نے و عالم دود گرفت
زیرا ندائے عشق زنی ہست آتشی(5)

مرشد رومی کے مطابق عشق ایسا جذبہ ہے جو تمام کائنات میں ساری و جاری ہے اور حیات کائنات اسی جذبے کا مظہر ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

بادہ کاندر خنب می جوشد نہان
ز اشتیاق روے تو جوشد چنان
(3572/5)

عشق کی اثر انگیزی کا تصور غالب اور اقبال کے ہاں بھی نظر آتا ہے:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا
(غالب)

ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب جل گئی مزرعہ ہستی تو اگا دانہ دل
(اقبال)

مولانا کے مطابق عشق کا جذبہ عالم کون و مکان کے ان ذرات میں بھی پنہاں ہے جنہیں جامد اور بے جان سمجھا جاتا ہے:

باد و خاک و آب و آتش زندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند
(842 /1)

خاک و آب و باد و نار پر شرر بیخبر با ما و با حق باخبر
(2378 /2)

قرآن کریم کی مختلف آیات میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے وہ خدا کی تسبیح میں مصروف ہے اور تمام ذرات عالم اس ہمہ گیر کشش اور جذبے کے زیر اثر

ہی قائم ہیں۔ مختصر یہ کہ مولانا کے ہاں عشق ایک ایسی بے پناہ بے چینی ہے جو کائنات میں تغیر اور حرکت پیدا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے:

عشق جوشد بحر را مانند دیگ　　عشق ساید کوہ را مانند ریگ
عشق بشکافد فلک را صد شکاف　　عشق لرزاند زمین را از گزاف
(8-2737/5)

حتی کہ مرشد رومی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی معراج کو عشق کا نتیجہ قرار دے کر فرماتے ہیں:

جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد
(25/1)

حضرت مولانا کے مطابق عشق کا ثمر یہ ہے کہ عاشق دیگر علایق سے کٹ کر اس کی طرف لگ جاتا ہے اور عشق میں ارتقاء کا میلان ہوتا ہے جس کا نتیجہ ترقی ہے۔ چاہے عشق مجازی ہو چاہے عشق حقیقی۔

ہر کہ را جامہ ز عشقی چاک شد　　او ز حرص و عیب کلی پاک شد
(22/1)

اس سلسلے میں خلیفہ عبدالحکیم رقم طراز ہیں:

"عشق حقیقی کا رجحان ہمیشہ کمال کی طرف ہو گا۔ اس لیے سچے عاشق کے تمام امراض اس سے ساقط ہو جائیں گے۔"(6)

گویا عشق کی برکت سے تمام نفسانی خواہشات اور اخلاق ذمیمہ جیسے کبر و غرور، خود غرضی، ہوس، حسد اور کینہ ختم ہو جائیں گے۔

شادباش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون و جالینوس ما
(4-23/1)

مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مثنوی کا بنیادی موضوع عشق ہے۔ مولانا کے ہاں ارواح انسانی کا مصدر ذات الٰہی ہے۔ یہ ارواح اصل مقام سے دوری کے غم میں نالہ سر دیتی ہیں اور جب تک ان فراق زدہ ارواح کو وصال نصیب نہ ہو گا تب تک وہ فغان کرتی رہیں گی۔ عارف رومی کے مطابق عشق کا جذبہ کائنات کے تمام ذرات میں موجود ہے اور یہی جذبہ کارخانہ دنیا کا چلانے والا ہے۔ گویا تمام ذرات تسبیح کے دانوں کی مانند ایک ہی دھاگے میں پروئے گئے ہیں اور یہ دھاگہ جذبہ عشق ہے۔ مولانا عشق کو ایک لایزال طاقت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زبان اس عظیم کشش کی شرح سے قاصر ہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان چون بہ عشق آیم خجل باشم از آن
گرچہ تفسیر زبان روشنگر است لیک عشق بی زبان روشن تر است
چون قلم اندر نوشتن می شتافت چون بہ عشق آمد قلم بر خود شکافت
(4-112/1)

حضرت مولانا عقل کو بھی عشق کے سمجھنے میں ناتوان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت
(115/1)

مولانا کے حالات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس تبریزی سے ملاقات کے باعث ایک عظیم الشان انقلاب نے مولانا روم کی زندگی کا رخ ایک نئے راستے کی طرف موڑ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اندھیروں اور تاریکیوں میں کھو جانے کی بجائے آفتاب عالم تاب کی ضو فشانیوں میں خود بھی سیر کی اور دوسروں کو بھی اس فضا میں رہنے کی تلقین کی۔ انہوں نے ان تمام حقائق عالیہ کو جو ان کے ذاتی اور نفسی تجربات پر مبنی تھے چند حکایتوں اور کہانیوں کے لباس میں پیش کیا۔ ان کی مثنوی میں قرآن حکیم کی اچھوتی تفسیر ملتی ہے۔

اسلامی تصوف میں مختلف ادوار کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہوتی رہی۔ اشراقی فلسفے کے ساتھ اس پر عیسائیت، بدھ مت، ویدانت اور رہبانیت کی پرچھائیاں بھی پڑی ہیں۔ لیکن ہر زمانے میں صوفیاء نے جو علم شریعت کے زیور سے آراستہ تھے اس بات کی کوشش کی ہے کہ طریقت کو خالص اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے اور اسے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے پاک کیا جائے۔ مولانا روم نے نہایت پر آشوب دور میں غیر اسلامی افکار سے مقابلہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اپنے اشعار کے ذریعے اسلام حقیقی کی تعلیمات کے احیاء کے لیے کمر ہمت باندھی۔ آپ نے مسلمانوں کی مایوسی کو ختم کرنے کے لیے اپنا معرکہ آرا نظریہ تصوف پیش کیا اور اپنی شاعری کی بدولت روح انسانی کی اصلیت اور اس کے حتمی مقصد کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کیا۔ آپ نے انسانی روح کو بانسری سے تشبیہ دے کر اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ جو بے چینی انسانی ارواح اور ذرات عالم میں پائی جاتی ہے اس کی وجہ فراق اور اپنی اصل سے جدائی ہے۔ انہوں نے اس بے تابی کو عشق کا نام دیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے متقدمین صوفیا کے تتبع میں گوشہ نشینی اور دنیا سے دوری اختیار نہیں کی بلکہ غیر اسلامی تصوف کے خلاف صدائے اعتراض بلند کی اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

1- مولانا جلال الدین رومی، کلیات دیوان شمس تبریزی (مدونہ منصور مشفق) ، تہران، انتشارات صفی علیشاہ، چاپ دہم، 1371ش، ص871

2- قاضی تلمذ حسین، مولانا جلال الدین رومی (سوانح عمری) ،لاہور: بک ہوم، 2005ء، ص92

3- ڈاکٹر معصومہ غلامی، مثنوی مولانا روم (اردو تراجم اور شروح کا مطالعہ)، لاہور: الفیصل پبلشرز، 2014ء، ص153

4- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، تشبیہات رومی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، طباعت دوم، 1977ء، ص8

5- بحوالہ ڈاکٹر معصومہ غلامی، مثنوی مولانا روم، ص39

6- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، حکمت رومی، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، طباعت سوم، 1981ء، ص27